امام ابوداؤد اور انکی سنن کی خصوصیات

مولانا تقی الدین صاحب ندوی، مظاہری، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

نام ونسب سلیمان نام کنیت ابوداؤد تھی، والد کا نام اشعث بن اسحٰق تھا، سیستان کے رہنے والے تھے، جو ہرات اور سندھ کے درمیان بلوچستان کے قریب واقع ہے، سیستان کا معرب سجستان ہے اسلئے وطن کی طرف منسوب ہوکر سجستانی کہلاتے ہیں، اگرچہ اُن کے وطن کی تعیین میں قدرے اختلاف ہے۔
ابن خلکان نے کہا ہے کہ سجستان بصرہ کے اطراف میں ایک دیہات کا نام ہے، لیکن شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ ہرات و سندھ کے درمیان ایک مشہور شہر ہے (بستان المحدثین) لیکن وہاں کے جغرافیہ میں اس نام کے شہر کا کہیں پتہ نہیں چلتا، یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ خراسان کے اطراف میں ہے اور اس کو سنجر بھی کہتے ہیں اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے (معجم البلدان ص ۲۷ ج ۵) اس لئے امام ابوداؤد سنجری بھی کہلاتے ہیں۔

پیدائش ووفات امام موصوف سیستان میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے، لیکن انھوں نے زندگی کا بڑا حصہ بغداد میں گذارا اور وہیں اپنی سُنن کی تالیف کی، اسی لئے اُن سے روایت کرنے والوں کی اس اطراف میں کثرت ہے، لیکن بعض وجوہ سے ۲۷۱ھ میں بغداد کو خیرباد کہا اور زندگی کے آخری چار سال بصرہ میں گذارے جو اُس وقت علم وفن کے لحاظ سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اور وہیں بروز جمعہ ۲۷۵ھ کو وفات پائی (اکمال)

تحصیلِ علم کے لئے سفر ان کی زندگی کے ابتدائی حالات بہت کم ملتے ہیں، لیکن جس زمانے میں انھوں نے آنکھیں کھولیں اس وقت علمِ حدیث کا حلقہ بہت وسیع ہوچکا تھا، اس لئے امام موصوف نے مختلف بلاد کا سفر کیا

اور اس زمانہ کے تمام مشاہیر اساتذہ و شیوخ سے حدیث حاصل کی، صاحب اکمال نے لکھا ہے۔
قدم بغداد غیر مرۃ، بغداد متعدد بار تشریف لائے، نیز تحصیل علم کے لئے عراق، خراسان، شام، الجزائر وغیرہ مختلف شہروں کی خاک چھانی اور ہر جگہ کے ارباب فضل وکمال سے استفادہ کیا (اتحاف ص۲۵۷)

اساتذہ و شیوخ | امام ابوداؤدؒ تحصیل علم کے لئے جن اکابر و شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا استقصاء دشوار ہے، خطیب تبریزی فرماتے ہیں کہ "اخذ العلم ممن لا یحصی" (اکمال)

انھوں نے بیشمار لوگوں سے حدیثیں حاصل کیں، اُن کی سُنن اور دیگر کتابوں کو دیکھ کر حافظ ابن حجرؒ کے انداز کے مطابق ان کے شیوخ کی تعداد تین سو سے زائد ہے، وہ امام بخاریؒ کے بہت سے شیوخ میں ان کے شریک ہیں (تذکرہ) ان کے اساتذہ میں امام احمدؒ۔ قعنبی، ابوالولید طیالسی، مسلم بن ابراہیم اور یحییٰ بن معین جیسے ائمۂ فن ہیں۔

تلامذہ | اُن کے تلامذہ کا شمار بھی مشکل ہے، ان کے حلقۂ درس میں کبھی کبھی ہزاروں کا اجتماع ہوتا تھا۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ان کے لئے سب سے زیادہ قابلِ فخر بات یہ ہے کہ امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ ان کے تلامذہ میں سے ہیں، اور امام احمدؒ بن حنبل نے بھی حدیث عتیرہ کو ان سے سُنا ہے اور امام ابوداؤد اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ (تذکرہ)

زہد و تقویٰ | ابو حاتم فرماتے ہیں کہ امام موصوف فقہ و علم اور حفظ حدیث، زہد و عبادت، یقین و توکل میں یکتائے روزگار تھے (اتحاف ص۲۵۷) اُن کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ اُن کے کُرتہ کی ایک آستین تنگ تھی اور ایک کُشادہ، جب اس کا راز دریافت کیا گیا تو بتایا کہ ایک آستین میں اپنے نوشتہ رکھ لیتا ہوں اس لئے اس کو کشادہ بنا لیا ہے، اور دُوسری کو کشادہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، نہ اس میں کوئی فائدہ تھا، اس لئے اس کو تنگ ہی رکھا ہے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ورع و تقویٰ، عفت و عبادت کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے (مرقاۃ ص۲۲) کہا گیا ہے کہ امام موصوف رفتار و گفتار میں اپنے استاذ امام احمدؒ کے بہت مشابہ تھے (مقدمہ بذل)

امام موصوف کے فضل کا اعتراف | امام موصوف کو علم و عمل میں جو امتیازی مقام حاصل تھا اُس زمانے کے

عُلماء ومشائخ کو بھی اس کا پُورا پُورا اعتراف تھا، چنانچہ حافظ موسیٰ بن ھارون فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد دنیا میں حدیث کیلئے اور آخرت میں جنت کیلئے پیدا کئے گئے تھے، میں نے اس سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ امام ابراہیم کا یہ فقرہ ابوداؤد کے متعلق مشہور ہے کہ حدیث کو اُن کے لئے اس طرح نرم کر دیا گیا تھا جیسے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا، حاکم کی رائے یہ ہے کہ امام اھل الحدیث فی عصرہ بلا مدافعۃ - امام ابوداؤد بلا شک و ریب اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے (مقدمہ غایۃ ص۲)

امام ابوداؤدؒ کا مسلک | اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اُن کا مسلک کیا ہے، اور کبار محدثین کے ساتھ ہمیشہ یہ معاملہ ہوتا رہا ہے کہ مختلف مسلک والوں نے اُن کو اپنے مسلک کا پیرو ثابت کرنے کی کوشش کی، یہی معاملہ امام ابوداؤدؒ کے ساتھ بھی ہوا، بستان المحدثین میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اُن کے مسلک میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ شافعی تھے، بعض حضرات نے اُن کو حنبلی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ نے ان کو شافعی شمار کیا ہے۔ لیکن مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے ان کو حنبلی فرمایا ہے (فیض الباری) مگر ان کی سُنن کے مطالعہ کے بعد یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ امام ابوداؤدؒ حنبلی المسلک ہی تھے، ان کی سُنن کے تراجم پر غور کرنے کے بعد اس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ امام موصوف نے اپنی سنن میں بہت سے مقامات پر دوسری ثابت و معروف روایات کے مقابلہ میں ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن سے امام احمدؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، مثلاً ترجمہ قائم کرتے ہیں باب کراھیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ (بذل ص۴)

چونکہ امام احمدؒ کے نزدیک قضائے حاجت کے وقت استدبار قبلہ مطلقاً جائز ہے، اس لئے ترجمۃ الباب میں اس کو ترک کر دیا، مزید برآں اس کے آگے "باب الرخصۃ فی ذلک" کا ترجمہ قائم کر کے استدبار قبلہ کا جواز ثابت کیا ہے، اسی طرح ترجمہ ہے "باب البول قائماً" اس میں حضرت ابو حذیفہؓ کی روایت "اتی سباطۃ قوم فبال قائماً" ذکر کر کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اباحت ثابت کی ہے جو امام احمدؒ کا مسلک ہے، حالانکہ اُن کے علاوہ جمہور علماء کے نزدیک بغیر عذر کے مکروہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، اور یہاں دوسری مشہور حدیث ذکر نہیں فرمائی جس سے بیٹھ کر ہی پیشاب کرنے کی

تاکید نکلتی ہے، بلکہ اس کو اپنی کتاب میں دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے، اسی طرح باب باندھا ہے " باب فی ترك الوضوء مما مست النار" اور اس سے اگلا باب باندھا ہے باب التشدید فی ذلك یعنی آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضوء کرنا واجب ہے، امام ابوداؤدؒ نے پہلے ترجمۃ الباب سے اشارہ کیا ہے اس بات کی طرف کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کان آخر الامرین فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترك الوضوء مما غیرت النار" کو جمہور نے ناسخ قرار دیا ہے لیکن چونکہ اسی حدیث کو مسئلۂ وضوء فی لحوم الابل میں بھی حنابلہ کے خلاف ائمۂ ثلاث نے ناسخ قرار دیا ہے اسی لئے امام ابوداؤدؒ نے باب التشدید فی ذلك کا باب قائم کرکے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ترك الوضوء مما غیرت النار حدیث جابرؓ سے منسوخ نہیں بلکہ اس کے نسخ کیلئے دوسرے دلائل موجود ہیں (بذل المجہود ص۱۱۶ ج۱)

اور مثلاً باب قائم کیا ہے" باب فی القطع فی العاریۃ اذا جحدت" اس میں مصنفؒ نے امام احمدؒ کے مسلک کی پوری تائید کی ہے، اس لئے کہ امام احمدؒ کے نزدیک جمہور کے خلاف خائن خیانت کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، حالانکہ اس سے پہلے ہی باب میں" لیس علی الخائن قطع" والی روایت کو ذکر کیا ہے جس سے ائمۂ ثلاث کا استدلال ہے (بذل المجہود ص۱۰۰) اسی طرح انھوں نے ترجمہ قائم کیا ہے باب الوضوء بفضل طہور المرأۃ (بذل ص۵۰) اس کے بعد ترجمہ باندھا ہے باب النہی عن ذلك، ائمۂ اربعہ میں سے یہ صرف امام احمدؒ کا مذہب ہے کہ عورت کے غسل یا وضوء سے بچے ہوئے پانی کا استعمال مرد کے لئے ناجائز ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب عورت پانی میں ہاتھ ڈال دے اور اس کو استعمال کرلے تو بقیہ پانی مرد کے لئے مستعمل ہوگیا ہے (بذل ص۵۱)

غرض یہ ہے کہ اس طرح اگر کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو پوری طرح سے امام موصوف کا حنبلی المسلک ہونا متعین ہوجاتا ہے۔

تصنیفات | سنن، مراسیل، الرد علی القدریۃ، الناسخ والمنسوخ، ماتفرد بہ اہل الامصار، فضائل الانصار، مسند مالک بن انسؒ، المسائل، معرفۃ الاوقات والاخوۃ وغیرہ (تدریب الراوی ص۲۴) کتاب بدء الوحی (تہذیب التہذیب ص۱۶۹) جن میں سب سے زیادہ اہم ان کی سنن ہے، جس پر اسکے

صفحات میں ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

سنن کا زمانۂ تالیف | کہیں متعین طور سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس سن میں امام موصوف سنن کی تالیف سے فارغ ہوئے، لیکن ملا علی قاریؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ جب سنن کی تالیف سے فارغ ہوئے تو اس کو اپنے اساتذہ امام احمدؒ وغیرہ کے سامنے پیش کیا اور انھوں نے اس کو پسند فرمایا (مرقاۃ ص۲۲ ج۱) اور امام احمدؒ کا سنہ وفات ۲۴۱ھ ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت تک تالیف سے فارغ ہو چکے تھے۔

سنن ابوداؤد کی وجہ تالیف | امام ابوداؤدؒ نے جس زمانے میں آنکھیں کھولیں تو انھوں نے ضرورت محسوس کی فنِ حدیث میں ایک نئے انداز کی کتاب کی ضرورت ہے جس میں اُن احادیث کا استیعاب ہو جن سے ائمہ نے اپنے مذاہب پر استدلال کیا ہے اس کی خاص وجہ یہ تھی جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت ایسی تھی جس نے ضبط و حفظ میں پوری توجہ کی لیکن اس نے نہ تو مسائل کے استنباط کی طرف توجہ کی اور نہ ان خزانوں سے احکام نکالنے کی کوشش کرتی تھی جو اس نے محفوظ کر رکھا تھا اور اس کے بالمقابل ایک جماعت ایسی تھی جس نے اپنی پوری توجہ استنباطِ مسائل اور اس میں غور و فکر کی طرف رکھی (الوابل الصیب ص ۸۴۳/۳) یہاں تک کہ ناقلینِ حدیث کی پہلی جماعت جو فتویٰ دینے سے بھی احتراز کرتی تھی اُن کا مقصد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو روایت کرنا تھا اور یہ حضرات ائمۂ مجتہدین کی فقہی باریکیوں سے ناواقف تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے معتقدین میں سے بعد کے کچھ لوگوں نے ائمہ پر نقد شروع کر دیا جیسے حمیدی نے امام ابوحنیفہؒ پر اور احمد بن عبداللہ العجلی نے امام شافعیؒ پر سخت تنقید کی اور کہا کہ وہ قابلِ اعتماد ہیں لیکن انھیں حدیث سے واقفیت نہیں، ابوحاتم رازی نے کہا کہ "کان الشافعیؒ فقیھاً ولم یکن لہ معرفة بالحدیث (ماتمس بہ الحاجۃ) اس لئے امام ابوداؤدؒ نے فقہاء کے مستدلات کو اپنی اس کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے، امام ابوداؤدؒ خود فرماتے ہیں کہ میری اس کتاب کے اندر مالکؒ، ثوریؒ، شافعیؒ وغیرہ کے مذاہب کی بنیادیں موجود ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اُن کا مقصد یہ تھا کہ ایسی احادیث کو یکجا کر دیں جس سے فقہاء استدلال کرتے ہیں، اور ان میں مروّج ہیں، اور جن کو علماء بلاد نے احکام کی

بنا قرار دیا، اس مقصد کیلئے امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن کو تصنیف کیا (حجۃ اللہ البالغہ ص۲۵) اسی لئے کہا گیا ہے کہ ایک مجتہد کے لئے یہ کافی ہے، احکام کے استیعاب میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

(تدریب الراوی ص۵۵)

سنن کی مقبولیت اس لئے ہر زمانے میں علماء و فقہاء نے سنن ابی داؤد کی طرف پوری توجہ کی، یہاں تک کہ جب یہ کتاب لکھی گئی اور مصنف نے لوگوں کو پڑھ کر سنایا تو بہت زیادہ مقبول ہوئی، امام خطابی نے لکھا ہے کہ سنن ابی داؤد جیسی کتاب علم دین کے متعلق ابھی تک نہیں لکھی گئی، علامہ ابن قیمؒ کی رائے ہے کہ امام موصوف نے ایسی کتاب لکھی ہے جو مسلمانوں کے درمیان حَکَم ثابت ہوئی اور اختلافی مسائل میں فیصلہ کن بن گئی، بعض بزرگوں نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جو سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے اُسے سنن ابی داؤد پڑھنا چاہیئے۔ (تہذیب السنن)

علماء نے مصنفؒ کی زیارت کے لئے رختِ سفر باندھا، سہل تستر رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانہ کے اہل اللہ میں سے تھے، مصنفؒ کی زیارت کے لئے آئے تو امام موصوف نے ان کے حکم سے اپنی زبان مبارک کو نکالا تو انہوں نے بوسہ لیا۔

سنن ابی داؤد کا صحاح ستہ میں رُتبہ اس کے بعد اب یہاں ہم کو دو حیثیت سے گفتگو کرنی ہے، ایک تو یہ کہ تعلیم کے لحاظ سے صحاح ستہ کے درمیان اس کا کیا مقام ہے؟ دوسرے یہ کہ صحت کے اعتبار سے اس کا کیا درجہ ہے۔

تعلیم کے اعتبار سے صحاح ستہ میں مقام تعلیم کے لحاظ سے اس کا مقام معلوم کرنے سے پہلے صحاح ستہ کے مقاصد ناظرین کے سامنے آجائیں تاکہ اس کی تعیین آسان ہوجائے۔ چونکہ صحاح ستہ کے مؤلفین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اپنی کتابوں کا انتخاب کیا ہے، حضرت امام بخاریؒ کے پیشِ نظر طرقِ استنباط و استخراجِ مسائل ہیں جو اُن کے تراجم ابواب سے ظاہر ہے، اہل درس کا مشہور مقولہ ہے کہ "بخاری کی ساری کمائی اُن کے تراجم میں ہے" اسی طرح امام مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح احادیث کو مختلف اسانید سے یکجا بیان کردیا ہے امام ابو داؤد نے ائمہ کے مستدلات کو موضوع قرار دیا، امام ترمذیؒ کا مقصد بیانِ مذاہب ہے اور امام نسائیؒ کی

غرض علل حدیث پر تنبیہ کرنا ہے، ابن ماجہ نے غیر معروف روایات کو بیان کرنا اپنے پیش نظر رکھا (ماخوذ از لامع ۲۵)
اوپر کی گفتگو سے ہمارے سامنے ان کتابوں کے اغراض و مقاصد آگئے ہیں اسلئے مشکوٰۃ شریف کے بعد ترمذی شریف کی تعلیم دینی چاہیے کیونکہ سب سے پہلے طالب علم کو ائمہ کے مذاہب معلوم ہونا چاہئیں، پھر مزید برآں ائمہ کے دلائل جاننے کی ضرورت ہے اس کے لئے سنن ابی داؤد کا وظیفہ ہے، پھر طرق استنباط و طرز استدلال معلوم ہونا چاہیے اس کیلئے صحیح بخاری کا وظیفہ ہے، پھر اس کے بعد مزید تائید کیلئے مسلم شریف کو پڑھانا چاہیے کیونکہ وہ صحیح احادیث کو مختلف اسانید سے یکجا روایت کرتے ہیں پھر علل حدیث جاننے کیلئے نسائی کا مقام ہے، جہاں وہ "ھذا منکر وھذا صواب" کہتے ہیں وہاں معرکہ پیش آجاتا ہے، پھر کھرے دکھوٹے کے جاننے کیلئے سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے، اس گفتگو سے اب یہ بالکل واضح ہو گیا کہ تعلیم کے لحاظ سے سنن ابی داؤد کا دوسرا درجہ ہے۔ (از افادات حضرت مولانا زکریا صاحب مدفیوضہم)

صحاح ستہ میں صحت کے لحاظ سے مقام | یہ بات مجمع ہے کہ صحیحین کو سنن اربعہ پر صحت کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہے لیکن اس کے بعد کی ترتیب میں علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے نسائی شریف کو تیسرا درجہ دیا ہے اور بعض نے جامع ترمذی کو (عرف الشذی) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جہاں کتب حدیث کے طبقات بیان کئے ہیں وہاں سنن ابی داؤد کو دوسرے طبقے میں شمار کیا ہے (عجالۂ نافعہ)
لیکن صاحب مفتاح السعادۃ نے لکھا ہے کہ سب سے اونچا درجہ بخاری شریف کا ہے، اس کے بعد صحیح مسلم کا اور پھر سنن ابی داؤد کا درجہ ہے اور یہی زیادہ مناسب ترتیب ہے۔ کیونکہ علامہ ابن جوزیؒ نے جامع ترمذی کی تیس ۳۰ احادیث، سنن نسائی کی دس ۱۰ اور سنن ابی داؤد کی نو ۹ احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (لامع ص ۶۳) اگرچہ علامہ موصوف نقد روایت میں متشدد مانے گئے ہیں اور علماء نے اکثر کا جواب دیا ہے لیکن اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور پڑے گا۔ اس لئے بھی سنن اربعہ میں سنن ابی داؤد کو صحت کے لحاظ سے تقدم حاصل ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں رجال کے تین طبقات قائم کئے ہیں، جس کے متعلق حاکم و بیہقی نے لکھا ہے کہ انھوں نے صرف پہلے ہی طبقہ کی روایات کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے لیکن قاضی عیاض نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے طبقہ ثانیہ کی روایات کو بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے، علامہ نوویؒ نے ان کے

قول کی تحسین کی ہے، البتہ طبقۂ ثالثہ کی روایات موجود نہیں ہیں، حضرت گنگوہیؒ نے اپنی تقریر مسلم میں فرمایا ہے کہ طبقۂ ثالثہ کی روایات کو بھی ضمناً و استشہاداً بعض جگہ بیان کر دیا ہے، بہرکیف طبقۂ اولیٰ و ثانیہ کی روایات مسلم شریف میں موجود ہیں، اس پر ابن سید الناسؒ نے لکھا ہے کہ امام ابوداؤد نے بھی ضعیف اور ناقابلِ اعتبار روایات سے گریز کیا ہے۔ اور جہاں کہیں ضعف شدید ہے تو اس کی وجہ بیان کر دی ہے، نیز قسم اوّل و ثانی کی روایات بکثرت اپنی کتاب میں لائے ہیں، پس معلوم ہوا کہ دونوں کے شرائط ایک ہیں، یعنی مسلم شریف میں صحیح اور حسن دونوں طرح کی روایات موجود ہیں، کیونکہ امام ابوداؤد نے اپنے خط میں جو اہلِ مکہ کے نام لکھا ہے اس میں اپنے ان شرائط کی صراحت کر دی ہے۔ (شروط الائمہ ص۵۵) امام زین العراقی نے اس کو تسلیم نہیں کیا کہ ان دونوں کے شرائط ایک ہیں، کیونکہ امام مسلم نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا ہے اس لئے ان کی کتاب کی کسی حدیث کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ان کے نزدیک حسن ہے، اس لئے کہ حدیث حسن کا درجہ صحیح سے نیچا ہے، اور امام ابوداؤد کا مشہور قول ہے کہ "ما سکت عنہ فھو صالح" جس حدیث سے میں سکوت اختیار کروں وہ قابلِ استدلال ہے، اس میں حسن و صحیح دونوں کا احتمال ہے۔ امام ابوداؤد سے کہیں یہ منقول نہیں جس کو میں صالح کہوں وہ صحیح ہی ہے (تدریب ص۵۶، شروط الائمہ ص۵۳) اس کے علاوہ امام زہریؒ کے تلامذہ کے پانچ طبقات ہیں، امام مسلم نے طبقۂ ثانیہ کی روایات کو اصالۃً ذکر کیا ہے، اور ثالثہ کی ضمناً اور امام ابوداؤد طبقۂ ثانیہ کی روایات کو اصالۃً لائے ہیں (تدریب ص۴۱) ان وجوہ کی بنا پر سنن ابی داؤد کا مقام صحیح مسلم کے بعد ہی رکھا جائیگا، جیسا کہ علامہ نوویؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ترتیب قائم کی ہے، بخاری، مسلم، پھر سنن ابی داؤد اس کے بعد نسائی پھر ترمذی و ابن ماجہ کا درجہ ہے۔ (مقدمہ لامع ص۴۴)

سنن ابی داؤد کی خصوصیات

کتب ستہ کی علیحدہ علیحدہ کچھ خصوصیات ہیں، اس لئے کہ ہر کتاب کے مصنف نے یہ کوشش کی ہے کہ اس کی کتاب میں کوئی نئی اور کارآمد بات ایسی ہو جو دوسری کتابوں سے اس کو ممتاز کر دے، اس کی تفصیل ہر ایک کے حالات کے ساتھ کی جائے گی فی الحال ہمارے پیش نظر سنن ابی داؤد کی خصوصیات کو

بیان کرنا ہے، پورا مضمون اور بالخصوص یہ حصہ حضرت الاستاذ مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث کے افادات سے ماخوذ ہے، جو بذل المجہود کی تصنیف میں شروع سے اخیر تک شریک رہے ہیں اور مزید برآں پینتیس ۳۵ سال تک سنن ابی داؤد کا درس دیا ہے۔

۱ - مصنف کبھی ایک ہی سند میں مختلف اسانید کو بیان کردیتے ہیں، اسی طرح کبھی ایک متن میں مختلف متون کو اکٹھا کردیتے ہیں، پھر ان میں سے ہر حدیث کے الفاظ کو علیحدہ علیحدہ بیان فرماتے ہیں جیسے مسدد بن مسرھد نے حماد بن زید وعبدالوارث دونوں ہی سے روایت کیا ہے، تو مصنف نے دونوں کے الفاظ کو علیحدہ علیحدہ عن وارث وعن حماد لکھکر بیان کردیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ دونوں کے الفاظ کا اختلاف ظاہر ہوجائے، اور یہ دونوں ہی مسدد کے استاد ہیں (بذل المجہود ص۳ ج۱)

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد ہے کہ ان کے اصول میں سے یہ ہے کہ جب کسی راوی کے الفاظ میں کوئی زیادتی یا کمی یا تغیر واقع ہوتا ہے یا راوی کا کوئی وصف وغیرہ بیان کرنا چاہتے ہیں، تو اس کو دوسری روایت سے علیحدہ کردیتے ہیں اور جملۂ معترضہ کے طور پر اثنائے سند یا اثنائے متن میں یا آخر سند میں اس کو بیان کرتے ہیں، اسی طرح جب دو اسناد ایک راوی پر جمع ہوجاتی ہیں تو اگر ایک نے حَدَّثَنَا کے ساتھ روایت کیا اور دوسرے نے عَنْعَنَہ سے تو پہلے حدثنا والی روایت کو مقدم کرتے ہیں اور عنعنہ کو مؤخر کرتے ہیں (ماخوذ از تقریر گنگوہیؒ)

۲ - اسی طرح امام موصوف نے فرمایا ہے کہ وہ حدیث طویل کو کبھی مختصر بیان کرتے ہیں، کیونکہ اگر پوری حدیث ذکر کردی جائے تو بعض سننے والے اس کی فقاہت کو سمجھ نہ سکیں گے (رسالہ ص۲)

۳ - انھوں نے فرمایا ہے کہ جب وہ دو یا تین حدیثیں ایک باب میں ذکر کرتے ہیں تو ان کا مقصد کسی خاص نقطۂ نظر کو بیان کرنا ہوتا ہے جو پہلی روایت میں موجود نہیں یا کسی روایت میں کسی خاص حیثیت سے مزید کلام کی ضرورت ہوتی ہے تو متعدد احادیث کو باب کے تحت لاتے ہیں ورنہ اختصار ہی سے کام لیتے ہیں۔

۴ - انھوں نے فرمایا ہے کہ صرف تیرہ ۱۳ جگہیں ہیں کہ جہاں اقدم کی روایت کو احفظ کی روایت پر

مقدم کیا ہے۔

۵ - اسی طرح کبھی ایک ترجمہ کے تحت مختلف روایات کو جمع کر دیتے ہیں جیسا کہ باب کراھة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة میں استدبار عند الحاجة کی روایت بھی لائے ہیں

۶ - اور کبھی ترجمة الباب اس طور پر قائم کرتے ہیں کہ خود ترجمہ کے الفاظ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ احادیث سے ثابت شدہ حکم کے اندر یہ چیزیں بھی شامل ہیں جیسے ترجمہ لائے ہیں۔ "باب المواضع التی نھی عن البول فیھا" حالانکہ حدیث کے اندر کہیں بول کا تذکرہ نہیں ہے، صرف بَراز کا تذکرہ موجود ہے لیکن چونکہ دونوں لازم وملزوم ہیں اس لئے ترجمہ کے الفاظ سے اس طرف اشارہ کردیا کہ دونوں کے اندر علت ممانعت ایک ہے، بَراز کے ساتھ بَول بھی شامل ہے۔

۷ - اسی طرح امام موصوف کی سنن میں ایک حدیث ثلاثی بھی ہے جبکہ سند عالی کی محدثین کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت ہے، چنانچہ امام بخاریؒ کی ثلاثیات بہت مشہور ہیں اور انھیں اُن کی کتاب کا ایک اہم باب سمجھا جاتا ہے، وہ حدیث ابن الدحداح کی کتاب الجنائز میں ص۹۷ ج۲ پر ہے۔

تعدادِ روایات | امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعہ میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو کا اپنی کتاب میں انتخاب کیا ہے، مزید برآں چھ سو مراسیل بھی ہیں، نیز امام شافعیؒ کے سوا مرسل حدیث جمہور کے نزدیک قابلِ حجت ہے، امام ابوداؤد اور اُن کے استاد امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔

صرف چار احادیث انسان کے دین کے لئے کافی ہیں | امام ابوداؤد نے اتنی روایات میں سے صرف چار کا انتخاب فرمایا کہ انسان کو اپنے دین پر عمل کرنے کیلئے صرف یہ حدیثیں کافی ہیں۔

(۱) انما الاعمال بالنیات۔ (۲) حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔

(۳) لایکون المؤمن مؤمنا حتی یرضیٰ لاخیہ مایرضیٰ لنفسہ (۴) الحلال بینٌ والحرام بینٌ الخ

اگرچہ حافظ ابن حجرؒ نے النصح لکل مسلم والی روایت کے متعلق کہا ہے کہ چار بنیادی حدیثوں میں سے اس کو بھی شمار کیا گیا ہے، اور اس کی تائید میں امام احمد بن احمد کا قول پیش کیا ہے (ص۱۳ ج۱) لیکن علامہ نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کو چار احادیث میں ایک شمار کیا ہے، ان کی رائے صحیح نہیں ہے۔

بلکہ فی الواقع یہ تو سب کی جامع ہے - اور اس پر اسلام کا مدار ہے، الغرض امام ابوداؤد نے ان چار حدیثوں کو انسان کے دین کیلئے کافی بتایا ہے، واقعہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ زندگی کے سارے معاملات پر حاوی ہے، چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے مشہورات و قواعد کلیہ جاننے کے بعد جزئیات دین کو معلوم کرنے کیلئے کسی مجتہد کو ضرورت باقی نہیں رہتی چونکہ حدیث اول عبادات کی درستگی کیلئے کافی ہے اور حدیث ثانی سے عمر عزیز کے اوقات کی محافظت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، تیسری حدیث سے حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ اپنے رشتہ داروں پڑوسیوں و متعارفین اور اہل معاملہ کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے اور چوتھی حدیث ایسے مسائل میں جن میں علماء کو شک و تردد ہے ایک واضح راستہ پیش کرتی ہے، غرض یہ کہ یہ چاروں حدیثیں ایک عاقل آدمی کیلئے استاد و شیخ کا درجہ رکھتی ہیں (حطہ ص۱۰۱ دبستان ص۱۱۹) لیکن فی الواقع امام ابوداؤد سے پہلے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے صاحبزادہ حمادؒ سے فرمایا تھا کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعہ میں سے پانچ احادیث کا انتخاب کیا ہے اور چار تو وہی ہیں جن کو امام ابوداؤد نے بیان کیا ہے اور پانچویں حدیث یہ ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ الخ چونکہ امام ابوداؤد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فضل و امامت کے قائل ہیں چنانچہ ان کا مشہور قول ہے "رحم اللہ ابا حنیفۃ کان اماما" "اللہ رحم کرے ابوحنیفہ پر وہ امام تھے، ابن عبد البر نے الانتقاء میں اس کو نقل کیا ہے - اس لئے زیادہ قرین قیاس ہے کہ امام ابوداؤد نے امام صاحبؒ کے قول کو اپنے سامنے رکھ کر ان چار حدیثوں کا انتخاب فرمایا ہو-

ماسکت عنہ ابوداؤد کی حیثیت - اس کتاب کے اندر یہ مسئلہ بھی نہایت ہی معرکۃ الآراء ہے جن احادیث پر امام موصوف سکوت اختیار فرمائیں ان کی حیثیت کیا ہوگی کیونکہ انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ "مالم یذکر فیہ شیئا فھو صالح (تدریب ص۵۶) جس کے بارے میں وہ سکوت اختیار کریں وہ صالح ہے یعنی قابل استدلال ہے اور انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ البتہ ان میں صحت کے اعتبار سے تفاوت ہے، بعض بعض کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہیں اب قابل استدلال ہونے میں حسن و صحیح دونوں ہی کا احتمال ہے، لیکن احتیاط اسی میں ہے اس کو حسن ہی قرار دیا جائے، علامہ نوویؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ ان پر عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ قابل اعتماد محدثینؒ

بھی سکوت فرمایا ہو (تدریب ص۵۵) قاضی شوکانی نے نقل کیا ہے کہ علامہ نوویؒ و ابن صلاحؒ وغیرہ حفاظ حدیث نے جن احادیث پر ابوداؤد نے سکوت اختیار کیا ہے عمل کرنا جائز بتایا ہے، البتہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی جگہ صحت وحسن کے خلاف کوئی چیز ملے گی تو پھر ہم اس پر عمل ترک کردیں گے، البتہ شیخ ابن صلاحؒ نے کہا کہ جو حدیث ہم ان کی کتاب میں مطلقاً بغیر فیصلہ کے پائیں گے اور اس کی صحت بھی ہمیں معلوم نہیں تو ایسی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ یہ امام موصوف کے نزدیک حسن ہے، کیونکہ جس سے امام ابوداؤد نے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ ان کے نزدیک حسن وصحیح دونوں کا احتمال رکھتی ہے (نیل الاوطار ص۱۵ ج۱) لیکن ابن مندہ کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد کو جب کسی باب میں ضعیف حدیث کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں ملی تو اسی کو لائے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک وہ لوگوں کی رائے سے زیادہ قوی ہے، ان کے استاد امام احمد کا بھی یہی مسلک تھا کہ لوگوں کی رائے سے زیادہ عزیز حدیث ہے خواہ ضعیف ہی کیوں نہو، وہ قیاس کا راستہ اس وقت تلاش کرتے تھے جب کہیں کوئی نص نہ مل سکے (تدریب ص۵۵) لیکن علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک رائے کے مقابل میں حدیث ضعیف کے عزیز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روایت باطل ومنکر نہ ہو اور اس میں کوئی ایسا راوی نہ پایا جائے کہ جس سے روایت جائز ہی نہیں، اور فی الواقع ایسی ضعیف حدیث سے استدلال تو امام ابوحنیفہ ومالک وشافعی بھی کرتے ہیں (اعلام الموقعین ص۳۱ ج۱) اسی لئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ امام ابوداؤد کے قول " فما سکت عنہ فھو صالح " کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث استشہاد واعتبار کے قابل ہے، اس کو دوسری حدیث کی تائید میں پیش کیا جاسکتا ہے، پھر ایسی صورت میں حدیث ضعیف بھی اس میں شامل ہوجائے گی، لیکن علامہ ابن کثیر نے امام ابوداؤد کا قول صریح نقل کیا ہے۔ "ما سکت عنہ فھو حسن " جس سے میں نے سکوت اختیار کیا ہے وہ حسن ہے، اس لئے اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو پھر کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا (تدریب ص۵۵) لیکن قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ منذری نے پوری توجہ ان احادیث کے نقد کے بارے میں کی ہے جو سنن ابی داؤد کے اندر مذکور ہیں اور بہت سی مسکوت عنہا احادیث کا ضعف بھی بیان کردیا ہے، پس وہ احادیث اس سے خارج سمجھی جائیں گی اور بقیہ پر عمل کیا جائے گا، لیکن جب یہ دونوں ہی سکوت اختیار کریں پھر بلاشبہ وہ حدیث قابلِ استدلال ہوگی لیکن چند جگہ نہیں

مستثنٰی ہیں جن کو میں اپنی اس شرح میں بیان کروں گا (نیل الاوطار ص۱۲) اسی طرح علامہ ابن قیم نے بھی چند احادیث پر نقد کیا ہے اس لئے بعض حضرات کا خیال ہے کہ سنن ابی داؤد کی وہ احادیث قابل استدلال ہونگی جن پر منذری وابن قیم دونوں ہی نے سکوت کیا ہو۔ لیکن سنن ابی داؤد کا مطالعہ کرنے کے بعد میرا یہ خیال ہے کہ بیشک منذری وابن قیم کی نقد کردہ احادیث کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ قابل استدلال ہیں اور قاضی شوکانی کا قول ابھی گذر چکا ہے لیکن ان سب کے باوجود ہمیں بعض احادیث ایسی بھی ملتی ہیں کہ جن پر ان سب نے سکوت اختیار کیا ہے اور فی الواقع وہ حدیث ضعیف ہیں، مثال کے طور پر مصنف نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رأیت ابن عمرؓ اناخ راحلتہ الخ (بذل المجہود ص۱) اس کے بارے میں امام ابوداؤد نے سکوت اختیار کیا ہے، اسی طرح منذری نے تخریج میں اور ابن قیم نے بھی اس میں سکوت فرمایا ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا، حافظ نے بھی تلخیص الحبیر میں اس کے متعلق سکوت اختیار کیا۔ البتہ فتح الباری میں صرف اتنا فرماتے ہیں کہ اس کی تخریج ابوداؤد وحاکم نے حسن سند سے کی ہے، لیکن ان حضرات کے سکوت پر تعجب ہے، کیونکہ اس کے راوی حسن بن ذکوان کی بہت سے محدثین نے تضعیف کی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کہا کہ لیس ھوالقوی عندی، "وہ میرے نزدیک قوی نہیں ہے" وقال احمد احادیثہ اباطیل" اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں باطل ہیں، اور یحیٰی بن سعید اور ابوحاتم نے اس کو ضعیف کہا اور ابوحاتم ونسائی کے نزدیک وہ قوی نہیں ہے، عبدالرحمٰن اس سے کبھی روایت نہیں کرتے تھے (بذل ص۱) پس ان وجوہ کی بنا پر میرا یہ خیال ہے کہ جن پر یہ سب حضرات سکوت فرمائیں اس کی مزید تحقیق وجستجو کی ضرورت ہے اور اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وہ احادیث جن کو علامہ ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے علامہ سیوطی کی رائے یہ ہے کہ سنن ابی داؤد کی چار حدیثیں ایسی ہیں جن کو ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے (تدریب ص۱۰) لیکن فی الواقع علامہ موصوف نے نو روایات کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ (لامع الدراری ص۶۳) لیکن علامہ ابن جوزی نقد روایات میں متشدد قرار دیئے گئے ہیں، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں بہت سی ایسی حدیثوں کو موضوع کہہ دیا ہے جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ فی الواقع وہ ضعیف ہیں، علامہ ذہبی کی رائے ہے کہ

ابن جوزی نے بہت سی قوی اور حسن روایات کو بھی کتاب الموضوعات میں داخل کردیا ہے (تدریب ص)
شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ ابن جوزی کا نقد روایات میں تشدد اور حاکم کے تساہل نے ان دونوں کی کتابوں کے نفع کو مشکل بنا دیا ہے، اس لئے کہ ان دونوں کی کتابوں کی ہر حدیث میں تساہل کا امکان ہو پس ناقل کو ان دونوں سے نقل میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، مجرد ان دونوں کی تقلید مناسب نہیں۔ (تعقبات علی الموضوعات ص ۱)

پس معلوم ہوا کہ علامہ موصوف کا ہر حدیث کے متعلق وضع کا فیصلہ نامناسب ہے۔ اس لئے ہم نے ایک ایک روایت کو لیکر اصل حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے اپنے خط میں تحریر فرمایا ہے کہ میری سنن میں جسکو میں نے لکھا ہے کوئی روایت متروک الحدیث راوی سے نہیں لی ہے، اور اگر کہیں حدیث منکر ہے تو میں نے اس کو بیان کردیا ہے، اسی طرح اگر کسی حدیث میں ضعف شدید ہو تو اس کی بھی وضاحت کردی ہے (شروط الائمہ ص ۵۵) امام موصوف نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی ایسی حدیث نہیں درج کی ہے جس کے ترک پر سب کا اجماع ہو (مرقاۃ ص ۲۲) امام خطابی جو سنن ابی داؤد کے شارح بھی ہیں ان کا ارشاد ہے کہ اس کتاب میں حسن وصحیح دونوں طرح کی روایات ہیں، باقی سقیم روایات تو اسکے متعدد طبقات ہیں جن میں سب سے بُرا طبقہ موضوع احادیث کا ہے، پھر مقلوب کا اور اس سے کم تر مجہول کا درجہ ہے، لیکن ابوداؤد کی کتاب ان سب سے خالی ہے بلکہ ان کے وجود سے پاک ہے (حطہ ص ۱۱۶)

وہ احادیث مندرجہ ذیل ہیں :۔

ا ـــ یہ وہ روایت ہے جو امام ابوداؤد نے باب صلوٰۃ التسبیح میں نقل کی ہے، علامہ ابن جوزی نے اس کو موضوع قرار دیا، کیونکہ اس کا راوی موسیٰ بن عبدالعزیز ان کے نزدیک مجہول ہے، لیکن علمائے علامہ موصوف کے اعتراض کا جواب دیا ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے یہاں غلو سے کام لیا ہے حافظ ابن حجرؒ کی رائے عالی یہ ہے کہ ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں اس حدیث کو نقل کرکے اچھا نہیں کیا، اور ان کا موسیٰ بن عبدالعزیز کو مجہول کہنا نامناسب ہے اس لئے کہ ابن معین ونسائیؒ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام بخاری نے جزء القرأۃ خلف الامام میں موسیٰ کی روایت کی تخریج کی ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اپنی

سنن میں اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس حدیث کو روایت کیا ہے، امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے، انھوں نے ابوخالد شرقی کی سند سے امام مسلم کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ اس باب (صلوٰۃ التسبیح) میں اس سے زیادہ حسن سند سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے، امام ترمذی نے ابن مبارک وغیرہ بہت سے اہلِ علم کا اس پر عمل نقل کیا ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہر زمانے کے صلحاء کا اس پر تعامل رہا ہے۔ مزید برآں موسیٰ بن عبدالعزیز کا متابع بھی موجود ہے، اور متعدد طرق سے یہ روایت مروی ہے، اور تعددِ طرق سے اب یہ روایت حسن لغیرہ کے درجہ پر پہنچ گئی (بذل ۲/۲۵)

۲ـــــ دوسری حدیث جس پر وضع کا حکم لگایا ہے، وہ یہ ہے القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ (سنن ابی داؤد ص ۲/۲۳۴) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس پر تعقب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے رجال صحیح کی طرح ہیں البتہ اس میں دو علت قادمہ موجود ہیں، ایک یہ کہ اس کے راوی عبدالعزیز بن حازم سے روایت کرنے میں بعض رواۃ نے اختلاف کیا ہے اور انھوں نے اس طرح روایت کیا ہے " ابوحازم عن نافع عن ابن عمرؓ اور یہاں سند یہ ہے، ابوحازم عن ابن عمرؓ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ منذری نے اس کی سند کو منقطع قرار دیا ہے حافظؒ نے اس دوسرے اشکال کا جواب یہ دیا کہ حسن بن قطان نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ ابوحازمؒ نے ابن عمرؓ کا زمانہ پایا تھا، پس یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے کیونکہ ان کے نزدیک اتصال کیلئے معاصرت کافی ہے، اور پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ راوی سے وہم ہوگیا ہو، اور یہ احتمال ہے کہ خود عبدالعزیز کے دو اُستاد ہوں اور انھوں نے دونوں ہی سے روایت کی ہو، بہرکیف جب یہ ثابت ہے تو پھر اس کو موضوع کہنے کی گنجائش نہیں (بذل ۵/۲۱۰) اور اس کے شواہد و متابعات بکثرت موجود ہیں اور درایۃً بھی روایت صحیح ہے،

۳ـــــ تیسری حدیث، اُبَیّ بن عمارۃ کی وہ روایت ہے جس سے مسح علی الخفین کیلئے عدم توقیت معلوم ہوتی ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کو علامہ ابن جوزی نے بھی موضوعات میں شمار کیا ہے، نووی نے شرح مہذب میں اس کی تضعیف پر ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے یحیٰی بن سعید فرماتے ہیں کہ اس کی سند مُظلم ہے۔

علامہ ابن قیم کے نزدیک اس کے تین راوی عبدالرحمٰن، محمد، ایوب مجہول ہیں، (رقایۃ المقصود ص۳۳۰) لیکن علامہ سیوطی نے یہ فرمایا ہے کہ حاکم نے اس روایت کو صحیحین کی شرط پر قرار دیا ہے، انھوں نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ فی الواقع ابن جوزی نے اس کو معلول نہیں قرار دیا ہے، بلکہ ان کے نقد کا منشا یہ ہے کہ اس میں توقیت ہے بہرحال اس کو موضوع کہنا مناسب نہیں، زیادہ سے زیادہ توقیت المسح علی الخفین کی روایات کی وجہ سے اس کو شاذ وضعیف و ناقابلِ عمل کہا جا سکتا ہے۔

۴ —— چوتھی حدیث یہ ہے "لا تمنع ید لامس (کتاب النکاح ص۲۷۹ ج۱) علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ لا اصل لہٗ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے، علامہ سیوطی نے تعقبات میں اس حدیث کی تخریج کرکے دعویٰ کیا ہے کہ الحدیث جید الاسناد اور اس کی تخریج اکثر محدثین نے کی ہے (تعقبات ص۲۸ ج۱) حافظ نے اس کو صحیح وحسن قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جن لوگوں نے اس کے موضوع ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان سے سخت غلطی ہوئی ہے اور ابن جوزی کا قول اس کے متعلق بالکل غیر معتبر ہے، علامہ ذکی الدین منذری نے فرمایا کہ اس کے راوی صحیحین کے شرط پر ہیں (التعلیق المحمود ص۱۵ ج۱)

۵ —— پانچویں حدیث ہے:- للسائل حق وإن جاء علی فرس (ص۳۳۲ ج۱) اس حدیث کو بھی علامہ موصوف نے کتاب الموضوعات میں شمار کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر و سراج الدین قزوینی وغیرہ نے اس کا جواب دیا ہے، اس کے راوی مصعب کی توثیق ابن معین اور ابو حاتم نے کی ہے، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علی بن حسین جہاں سند ختم ہوتی ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع حاصل نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن الحذاء نے علی بن حسین کا آپ سے سماع ثابت کیا ہے، اور بالفرض اگر بغوی وغیرہ کے کہنے کے مطابق مرسل ہی مان لیں تو بھی کوئی حرج نہیں اسلئے کہ حدیث مرسل سے جمہور علماء استدلال کرتے ہیں (التعلیق المحمود ص۲۵)

۶ —— یہ حدیث ہے - من سئل عن علم فکتمہ الجمہ اللہ بلجام من نار یوم القیامۃ (ص۱۵۹ ج۲) علامہ موصوف نے اس حدیث کو بھی موضوع قرار دیا ہے، لیکن امام سخاوی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں صحیح کہا ہے (مرقاۃ ص۲۳۵ ج۱) اور امام احمد نے اپنی

مسند میں اس کو روایت کیا ہے (مشکوٰۃ ص ۲/۱۴)

۷ —— ساتویں حدیث یہ ہے "المؤمن غرّ کریم والفاجر خبّ لئیم" (ص ۳/۲۲) اس حدیث کو ابن جوزی اور سراج الدین قزوینی نے موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ حاکم نے عیسیٰ بن یونس کی سند سے تخریج کی ہے، اس روایت کے دو راوی ایک حجاج دوسرے بشر پر سخت کلام کیا ہے لیکن یحییٰ بن معین نے فرمایا، حجاج لابأس بہٖ البتہ شیخین نے دونوں کو ناقابل حجت سمجھا ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حجاج کی تو جمہور نے تضعیف کی ہے اور بشر بن رافع اس سے اضعف ہے، پھر بھی اس پر موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا اس لئے کہ موضوع ہونے کے پورے شرائط نہیں پائے جاتے (ماخوذ از بذل ص ۲۳۵/۵)

۸ —— آٹھویں حدیث وہ ہے جو حضرت معاذؓ بن جبل سے مروی ہے بظاہر اس حدیث سے سفر میں تقدیم معلوم ہوتی ہے (ابوداؤد ص ۱۷۱/۱۴) حالانکہ حضرت معاذؓ بن جبل کی سند سے امام مسلم نے بھی اپنی کتاب میں اسی حدیث کی تخریج کی ہے، لیکن اس میں جمع تقدیم نہیں ہے، اور جمہور ثقات رواۃ کی روایات سے جمع تقدیم نہیں معلوم ہوتی، صرف قتیبہ کی روایت اس طرح ہے اور وہ اس میں متفرد ہیں، پس معلوم ہوا کہ روایت شاذ ہے، اسی طرح امام ابوداؤد نے بھی اشارہ کیا ہے، اور حاکم نے قتیبہ کی غلطی قرار دیا ہے اسی طرح اس کے راوی ابوالطفیل پر الزام ہے کہ وہ مختار کے ساتھیوں میں تھا اور مختار رجعت پر ایمان رکھتا تھا، صاحب بدر المنیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بابت علماء کے پانچ اقوال ہیں، ترمذی کے نزدیک حسن وغریب ہے، ابن حبان نے محفوظ قرار دیا ہے اور ابوداؤد نے منکر اور ابن حزم نے منقطع اور حاکم نے موضوع کہا ہے (بذل ص ۲۴/۲)

۹ —— نویں حدیث یہ ہے لا تقطعوا اللحم بالسکین (ص ۱۷۱/۲۲) ابن جوزی کی طرح امام احمدؒ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کا راوی ابومعشر مدینی اس کے روایت کرنے میں متفرد ہے اور وہ قوی نہیں ہے لیکن طبرانی نے اس حدیث کی ام سلمہؓ سے بھی تخریج کی ہے مگر مشہور روایت کے برخلاف ہے، اس لئے کہ امیۃ ضمیری کی روایت خود سنن ابی داؤد میں موجود ہے، جس سے اباحت

معلوم ہوتی ہے، نیز ابو معشر کے متعلق علماء نے سخت کلام کیا ہے، یحییٰ بن معین نے اس کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وہ تو ہوا کے مانند ہے، امام بخاری نے منکر الحدیث بتایا ہے، اور امام نسائی و ابوداؤد نے بھی ضعیف قرار دیا ہے، نعیم بن طریف فرماتے ہیں کہ" ابو معشر اکذب فی السماء والارض" یحییٰ بن سعید اس کا نام سن کر ہنستے تھے (بذل مہ ۳۵۲)

سنن ابی داؤد کی شروح

سنن ابی داؤد کی اہمیت اور اس کی افادیت کے پیش نظر علماء و محدثین نے اس کے ساتھ پورا اعتناء کیا، اس کی متعدد شرحیں اور حواشی و مستخرجات لکھے گئے، حضرت الاستاذ مولانا زکریا صاحب مدظلہٗ نے تقریباً بائیس شروح و حواشی کا اپنے افادات میں ذکر فرمایا ہے۔ طوالت کے سبب ان کا تفصیلی تعارف کرانا یہاں مشکل ہے، البتہ چند مشہور و متداول شروح و حواشی یہ ہے، معالم السنن للخطابی، مرقات الصعود للسیوطی اس کی تلخیص علامہ دمنتی نے کی ہے جو درجات مرقات الصعود کے نام سے مشہور اور رائج ہے، المجتبیٰ للمنذری و تہذیب السنن لابن القیم، غایۃ المقصود للشیخ شمس الحق ابی الطیب العظیم آبادی لیکن اس کا جزء اول ہی صرف طبع ہو سکا ہے، اور اس کی تلخیص ان کے بھائی شیخ محمد اشرف نے کی ہے جو عون المعبود کے نام سے چار جلدوں میں چھپ گئی ہے، فتح الودود للسندی، والتعلیق المحمود للشیخ فخر الحسن الگنگوہی، بذل المجہود یہ شرح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی ہے جو اہل علم میں مشہور و معروف ہے، المنہل، یہ جدید شرح حجاز سے آئی ہے جو مختصر و مفید ہے۔

فتاویٰ دار العلوم

☆ کامل ۸ جلد ☆

مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ
مفتی دار العلوم دیوبند کے اُن ہزارہا فتاویٰ کا منتخب مجموعہ ہے جو حضرت رح نے افتاء دار العلوم سے جاری فرمائے تھے .... قیمت اکیس روپے -/21

• ملنے کا پتہ •

مکتبہ برہان، اُردو بازار جامع مسجد دہلی ۶